انھیں کس نے دہیج میں کے پیسے دیئے تھے ؟"

" اس میں باپ دادا کا نام دوتبا ہے "

" میں تو ساری والوں سے کہہ دوں گی کہ اگر تم نے ایک پیسہ بھی دہیج لیا تو میں تم سے بیاہ نہ کروں گی "

سونا کا بیاہ ساری کے ایک مالدار کسان کے لڑکے سے طے ہوا تھا۔

" اور جو وہ کہہ دے کہ میں کیا کروں، تمھارے باپ دیتے ہیں اور میرے باپ لیتے ہیں، تو اس میں میرا کیا بس ؟ "

سونا نے جس ہتھیار کو بہت کارگر سمجھا تھا، اب معلوم ہوا کہ وہ بالکل نکما ہے مایوس ہو کر بولی " میں ایک بار اس سے کہہ کے دیکھ لینا چاہتی ہوں ۔ اگر اس نے کہہ دیا کہ میرا کوئی بس نہیں تو کیا گومتی یہاں سے بہت دور ہے ؟ جا کر ڈوب مروں گی ۔ ماں باپ نے مر مر کر پالا تو اس کا بدلہ کیا یہی ہے کہ ان کی گھر سے جانے لگوں تو انھیں کرجے (قرضے) سے اور لاد تی جاؤں ؟ ماں باپ کو بھگوان نے دیا ہو تو پھر جتنا جی میں آوے لڑکی کو دیں، میں منع نہیں کرتی ۔ لیکن جب وہ پیسے پیسے کو تنگ ہو رہے ہیں، تو کنیا کا دھرم یہی ہے کہ ڈوب مرے ۔ گھر کی جمین (زمین) جائے جایجات (جائداد) تو بچ جائے گی، روٹی کا سہارا تو رہ جائے گا ۔ ماں باپ چار دن میرے نام کو رو کر صبر کر لیں گے ۔ یہ تو نہ ہوگا کہ میرا بیاہ کر کے انھیں جنم بھر رونا پڑے ۔ تین چار سال میں دو سو کے دونے ہو جائیں گے ۔ دادا کہاں سے لا کر دیں گے ؟"

سلیا کو معلوم ہوا کہ جیسے اس کی آنکھوں میں نئی چمک آگئی ہے ۔ جوش میں سونا کو سینے سے لگا کر بولی " تو نے اتنا گیان کہاں سے سیکھ لیا سونا ؟ دیکھنے میں تو تو بڑی بھولی بھالی ہے "

اس میں گیان کی کون بات ہے؟ کیا میرے آنکھ نہیں ہے؟ کہ میں پاگل ہوں؟ دو سو میرے بیاہ میں لیں۔ تین سال میں دونا ہو جائے۔ تب رُو پیا کی سگائی میں دو سو اور لیں۔ جو کچھ کھیتی باری ہے سب نیلام (نیلام) ہو جائے اور دوارے دوارے بھیک مانگتے پھریں، یہی نا؟ اس سے تو کہیں اچھا ہے کہ میں اپنی ہی جان دیدوں۔ تو منہ اندھیرے سُنار ی چلی جانا اور اسے بلا لانا۔ مگر نہیں، بلانے کا کام نہیں ہے مجھے اس سے بولتے لاج آئے گی۔ تو ہی میرا یہ سندیسہ کہہ دینا۔ دیکھیں کیا جواب ملتا ہے۔ کون دور ہے؟ ندی کے اس پار ہی تو ہے! کبھی کبھی ڈھور لیکر ادھر آ جاتا ہے۔ ایک بار اس کی بھینس میرے کھیت میں گھس گئی تھی تو میں نے اسے بہت گالیاں دی تھیں۔ ہاتھ جوڑنے لگا۔ ہاں یہ تو بتا کہ ادھر منّی سے تیری بھینٹ ہوئی؟ سنا کہ باھن انھیں برادری میں نہیں لے رہی ہیں۔"

سلیا نے حقارت سے کہا: "برادری میں کیوں نہ لیں گے۔ ہاں تو بوڑھا روپیہ نہیں کھرچ (خرچ) کرنا چاہتا۔ اس کو پیسہ مل جائے تو جھوٹی گنگا اٹھالے لڑکا آج کل باہر کی دالان میں ٹکر لگاتا ہے۔"

"تو اسے چھوڑ کیوں نہیں دیتی؟ اپنی برادری میں کسی کے یہاں بیٹھ جا اور آرام سے رہ۔ وہ تیری ہتک تو نہ کرے گا۔"

"ہاں رے کیوں نہیں۔ میرے پیچھے اس کی اتنی دُرگت ہوئی تو اب میں اسے چھوڑ دوں؟ اب وہ چاہے پنڈت بن جائے، چاہے دیوتا بن جائے پر میرے لئے تو وہی منّی ہے جو میرے پیروں پر ماتھا رگڑا کرتا تھا۔ اور باھن بھی ہو جائے اور باھنی سے بیاہ بھی کرلے تو بھی منّی اس کی سیوا میں نے کی ہے وہ کوئی باھنی کیا کرے گی۔ ابھی مرجاد کے موہ میں وہ چاہے مجھے چھوڑ دے، دیکھ لینا کہ پھر دوڑا آئے گا۔"

"آچکا اب! تجھے پائے تو کچا ہی کھا جائے۔"

"تو اسے بلانے ہی کون جاتا ہے؟ اپنا اپنا دھرم اپنے اپنے ساتھ ہے۔ وہ اپنا دھرم توڑ رہا ہے تو میں اپنا دھرم کیوں توڑوں؟"

بڑے سویرے سلیا ساری کی طرف چلی مگر ہوری نے روک لیا۔ دھنیا کے سر میں درد تھا۔ اس کی جگہ کیاریوں کو برابر تھا (کیاریوں میں پانی تقسیم کرنا) سلیا انکار نہ کر سکی۔ یہاں سے جب دوپہر کو چھٹی ملی تو وہ ساری چلی۔ ادھر تیسرے پہر ہوری پھر کنوئیں پر چلا تو سلیا کا پتہ نہ تھا۔ بگڑ کر بولا: "سلیا کہاں اڑ گئی؟ رہتی ہے، رہتی ہے، نہ جانے کدھر چل دیتی ہے۔ جیسے کسی کام میں من ہی نہیں لگتا تو جانتی ہے سونا، کہاں گئی ہے؟"

سونا نے حیلہ کیا: "مجھے تو کچھ معلوم نہیں۔ کہتی تھی کہ دھوبن کے گھر کپڑے لینے جانا ہے، وہیں چلی گئی ہوگی۔"

دھنیا نے چارپائی سے اٹھ کر کہا: "چلو میں کیاری برائے دیتی ہوں کون اسے مجوری دیتے ہو جو بگڑ رہے ہو؟"

"ہمارے گھر میں رہتی نہیں ہے؟ اس کے پیچھے سارے گانوں میں بدنامی ہو رہی ہے؟"

"اچھا رہنے دو، ایک کوٹھے میں پڑی ہوئی ہے تو اس سے کرایہ لوگے؟"

"ایک کوٹھے میں نہیں پڑی ہوئی ہے، ایک پوری کوٹھری لئے ہوئے ہے۔"

"تو اس کوٹھری کا کرایہ ہوگا کوئی پانچ روپیہ مہینہ؟"

اس کا کرایہ ایک پیسہ سہی! ہمارے گھر میں رہتی ہے، تو جہاں جائے پوچھ کر جائے۔ آج آتی ہے تو کھبر (خبر) لیتا ہوں۔"

پُرچلنے لگا۔ دھنیا کو ہوری نے نہ آنے دیا۔ روپا کیاری برابر کرتی تھی اور سونا پُرکھ رہی تھی۔ روپا گیلی مٹی کے چولھے اور برتن بنا رہی تھی اور سونا یاس و امید بھری آنکھوں سے سنار کی طرف تاک رہی تھی۔ امید کم تھی، یاس زیادہ سوچتی تھی کہ ان لوگوں کو روپے مل رہے ہیں تو کیوں چھوڑنے لگے؟ جن کے پاس پیسہ ہے وہ تو پیسے پر اور بھی جان دیتے ہیں۔ پھر گوری مہتو تو ایک ہی لالچی ہیں۔ مُتھرا میں دَیا ہے، دھرم ہے مگر باپ کی اچھا جو ہوگی وہی اسے ماننی پڑیگی مگر سونا بھی بچہ کو ایسا پھٹکارے گی کہ یاد کریں گے وہ کھلم کھلا کہہ دے گی کہ جاکر کسی امیر کی لڑکی سے بیاہ کر، تجھ جیسے مرد کے ساتھ میرا نباہ نہ ہوگا۔ کہیں گوری مہتو مان گئے تو وہ ان کے چرن دھو دھو کر پیئے گی۔ ان کی ایسی سیوا کرے گی جیسی اپنے باپ کی بھی نہ کی ہوگی اور سلیا کو بھر پیٹ مٹھائی کھلا دیگی۔ گوبر نے جو روپیہ اسے دیا تھا اسے وہ ابھی تک رکھے ہوئے تھی۔ اس شریں تصور سے اس کی آنکھیں چمک اٹھیں اور رخساروں پر ہلکی سی سرخی دوڑ گئی۔

مگر سلیا ابھی تک آئی کیوں نہیں؟ کون بڑی دور ہے؟ نہ آنے دیا ہوگا ان لوگوں نے۔ آہا، وہ آرہی ہے! لیکن بہت دھیرے دھیرے آتی ہے۔ سونا کا دل بیٹھ گیا۔ ابھاگے نہیں مانے سایت (شاید)، نہیں تو سلیا دوڑتی آتی۔ تو سونا سے ہو چکا بیاہ۔ منہ دھو رکھو۔

سلیا آئی ضرور مگر کنویں پر نہ جاکر کھیت میں کیاری بنانے لگی۔ ڈر رہی تھی کہ اگر ہوری پوچھیں گے کہ کہاں تھی اب تک، تو کیا جواب دے گی۔ سونا کے یہ دو گھنٹے بڑی مشکل سے گزرے، پُر بند ہوتے ہی وہ دوڑی ہوئی سلیا کے پاس گئی۔

"وہاں جاکر تو مر گئی تھی کیا؟ تاکتے تاکتے آنکھیں پھوٹ گئیں۔

سیلیا کو بُرا لگا: "تو کیا میں وہاں سوتی تھی؟ اس طرح کی بات چیت راہ چلتے تھوڑے ہی ہو جاتی ہے۔ موکا (موقع) دیکھنا پڑتا ہے۔ متھرا ندی پر ڈھور چرانے گیا تھا۔ کھوجتی کھوجتی اس کے پاس گئی اور تیرا سندیسہ کہا۔

ایسا کھس (خوش) ہوا کہ مجھ سے کیا کہوں۔ میرے پاؤں پر گر پڑا اور بولا: "میں نے تو جب سے سنا ہے کہ سونا میرے گھر میں آ رہی ہے تب سے آنکھوں کی نیند ہر گئی ہے۔ اس کی وہ گالیاں مجھے پھل گئیں۔ پر کا کا کو کیا کروں، وہ کسی کی نہیں سنتے۔"

سونا نے ٹوکا: "تو نہ سُنیں سونا بھی ہٹیلی ہے۔ جو کہا ہے وہ کر دکھائے گی۔ پھر ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔"

"بس اسی چھن ڈھوروں کو وہیں چھوڑ کے مجھے لئے ہوئے گوری مہتو کے پاس گیا۔ مہتو کے چار پُر چلتے ہیں۔ کنواں بھی ان کا ہے۔ دس بیگھے اوکھ ہے۔ مہتو کو دیکھ کے مجھے ہنسی آ گئی، جیسے کوئی کھیسارا ہو۔ ہاں بھاگ اچھے ہیں۔ باپ بیٹے میں بڑی کھا سنی ہوئی۔ گوری مہتو کہتے تھے کہ تجھ سے کیا مطلب، میں چاہے کچھ لوں یا نہ لوں، تو کون ہوتا ہے بولنے والا؟ متھرا کہتا تھا کہ تم کو لینا دینا ہے تو میرا بیاہ مت کرو، میں اپنا بیاہ جیسے چاہوں گا کروں گا بات بڑھ گئی اور گوری نے پنہیں (جوتے) اتار متھرا کو کھوب (خوب) پیٹا۔ کوئی دوسرا لڑکا اتنی مار کھا کے بگڑ کھڑا ہوتا۔ متھرا ایک گھونسہ بھی جما دیتا تو مہتو پھر نہ اٹھتے۔ مگر بے چارا نہیں کھا کر بھی کچھ نہ بولا۔ آنکھوں میں آنسو بھرے میرا منہ تاکتا ہوا چلا گیا۔ تب مہتو مجھ پر بگڑنے لگے۔ سینکڑوں گالیاں دیں مگر میں کیوں سننے لگی؟ مجھے ان کا کیا ڈر تھا؟ میں نے صاف (صاف) کہہ دیا کہ مہتو! دو تین سو کوئی بڑی بھاری رکم (رقم) نہیں ہے اور ہتوری مہتو اتنے

میں بک نہ جائیں گے اور نہ تم ہی امیر ہو جاؤ گے، پر وہ سب دھن ناچ تماشے ہی میں اڑ جائے گا۔ ہاں ایسی بہو نہ پاؤ گے۔"

سونا نے آنسو بھر کر پوچھا: "تو مہتو اتنی ہی بات پر اسے مارنے لگے؟"

سلیا نے بات چھپا رکھی تھی، ایسی ذلیل بات سونا کے کانوں میں نہ ڈالنا چاہتی تھی مگر یہ سوال سُن کر ضبط نہ کر سکی اور بولی: "وہی گوبر بھیا والی بات تھی۔ مہتو نے کہا کہ آدمی جو ٹھاٹھ تو تب ہی کھاتا ہے جب بیٹھا ہو، اور کلنک چاندی ہی سے دھلتا ہے۔ اس پر متھرا بولا کہ کاکا کون گھر کلنک سے بچا ہے؟ ہاں کسی کا کھل گیا اور کسی کا چھپا ہوا ہے۔ گوری مہتو بھی پہلے ایک چمارن سے پھنسے تھے اور اس سے دو لڑکے بھی ہیں۔ متھرا کے منہ سے اتنا نکلنا تھا کہ بوڑھے پر جیسے بھوت چڑھ گیا۔ جتنا لالچی ہے۔ اتنا گیل (غصہ ور) بھی ہے۔ بنا لئے نہ مانے گا۔"

دونوں گھر چلیں۔ سونا کے سر پر پُر، رسّا اور جوئے کا بھاری بوجھ تھا مگر اس وقت تو وہ اسے پھول سے بھی ہلکا لگ رہا تھا۔ اس کے دل میں جیسے خوشی اور زندہ دلی کا سوتا کھل گیا تھا۔ متھرا کی وہ مردانہ مورت سامنے کھڑی تھی اور وہ گوا سے اپنے دل میں بٹھا کر اس کے پیروں کو آنسوؤں سے دھو رہی تھی۔ جیسے آسمانی حوریں اسے گود میں اٹھائے آسمان میں پھیلی ہوئی سرخی میں لئے چلی جا رہی تھیں!

اُسی رات سونا کو شدت کا بخار ہو آیا۔

تیسرے دن گوری مہتو نے نائی کے ہاتھ یہ خط بھیجا:۔

"سری سرب اُپما جوگ سری ہوری مہتو کو گوری رام کا رام رام بانچنا۔ آگے جو ہم لوگوں میں دھنیا کی بات چیت ہوئی تھی۔ اس پر ہم نے من سے بچار کیا تو سمجھ میں آیا کہ لین دین سے بَر (دوکھا) اور کنیا دونوں ہی کے

گھر والے جیر (زیر) بار ہوتے ہیں۔ جب ہمارا تمھارا ناتا ہو گیا تو ہمیں ایسا برتاؤ کرنا چاہئے کہ کسی کو نہ اکھرے (کھلے) تم دیہج کی کوئی چنتا مت کرنا۔ ہم تم کو سوگند دیتے ہیں۔ جو کچھ موٹا مہین ہو سکے، براتیوں کو کھلا دینا۔ ہم تو وہ بھی نہ مانگیں گے۔ رسد کا بندوبست ہم نے کر لیا ہے۔ ہاں، تم کھسی (خوشی) سے جو ہماری کھاطر (خاطر) کردگے وہ سر جھکا کر منجور (منظور) کریں گے۔"

ہوری نے خط پڑھا اور دوڑتے ہوئے اندر جا کر دھنیا کو سنایا۔ خوشی کے مارے اچھلا پڑتا تھا۔ مگر دھنیا کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی بیٹھی رہی۔ ایک لمحہ بعد بولی: "یہ گوری مہتو کی بھلمنسی ہے پر ہمیں بھی تو اپنی مرجاد کا نباہ کرنا ہے سنار کیا کہے گا؟ روپیہ ہاتھوں کا میل ہے۔ اس کے لئے گھر کی مرجاد نہیں چھوڑی جا سکتی۔ جو کچھ ہم سے ہو سکے گا وہ دیں گے اور گوری مہتو کو لینا پڑے گا۔ تم یہی جواب لکھ دو۔ ماں باپ کی کمائی میں کیا لڑکی کا کوئی حصہ نہیں ہے؟ نہیں، لکھنا کیا ہے، چلو میں نائی سے سندیسہ کہلائے دیتی ہوں۔"

ہوری بدحواس سا آنگن میں کھڑا تھا اور دھنیا اس فیاضی کے جواب میں جو گوری نے کی تھی، اپنا سندیسہ کہہ رہی تھی۔ پھر اس نے نائی کو شربت پلایا اور رخصتانہ دے کر رخصت کیا۔

وہ چلا گیا تو ہوری نے کہا: "یہ تو نے کیا کر ڈالا دھنیا؟ تیرا سبھاؤ آج تک میری سمجھ میں نہ آیا۔ تو آگے بھی چلتی ہے، پیچھے بھی چلتی ہے۔ پہلے تو اس بات پر لڑ رہی تھی کہ کسی سے ایک پیسہ ادھار مت لو، کچھ دینے دلانے کا کام نہیں ہے اور جب بھگوان نے گوری کے دل میں بیٹھ کے یہ چٹھی لکھ دائی تو تو نے گھرانے کی مرجاد کا راگ چھیڑ دیا۔ تیرا بھید بھگوان ہی جانیں۔"

دھنیا بولی: "منہ دیکھ کر بیڑا دیا جاتا ہے، جانتے ہو کہ نہیں؟ تب گوری

اپنی سان دکھاتے تھے، اب وہ بھلمنسی دکھاتے ہیں۔ اینٹ کا جواب چاہے پتھر ہو مگر پرنام (سلام) جواب تو گالی نہیں ہے۔"

ہوری نے ناک سکیڑ کر کہا: "تو دکھا اپنی بھلمنسی! دیکھوں کہ کہاں سے روپے لاتی ہے۔"

دھنیا آنکھیں مٹکا کر بولی: "روپیہ لانا میرا کام نہیں ہے، تمہارا کام ہے۔"

"میں تو دُلاری ہی سے لوں گا۔"

"لے لو اسی سے سود تو سب ہی لیں گے۔ جب ڈوبنا ہی ہے تو کیا گڑھی اور کیا گنگا۔"

ہوری باہر جا کر حقہ پینے لگا۔ کتنے مزے سے گلا چھوٹا جاتا تھا۔ گرو دھنیا جب جان چھوڑے تب تو۔ جب دیکھو الٹا ہی چلتی ہے۔ اسے جیسے کوئی بھوت سوار ہو جاتا ہے۔ گھر کی دسا دیکھ کر بھی اس کی آنکھیں نہیں کھلتیں۔

(۲۵)

بھولا اُدھر دوسری سگائی کر لائے تھے۔ عورت کے بغیر اُن کی زندگی بے کیف تھی۔ جب تک جھنیا تھی انھیں حقہ پانی دے دیتی تھی اور وقت پر کھلانے کو بُلالے جاتی تھی۔ اب بے چارے بے بس سے ہو گئے تھے۔ بہوؤں کو گھر کے کام کاج سے چھٹی نہ ملتی تھی۔ ان کی خدمت کیا کرتیں؟ اس لئے اب سگائی نہایت ضروری ہو گئی تھی۔ اتفاق سے ایک جوان بیوہ مل گئی جس کے شوہر کو مرے ہوئے صرف تین مہینے ہوئے تھے۔ ایک لڑکا بھی تھا۔ بھولا کی رال ٹپک پڑی اور جھٹ پٹ شکار پھانسے۔ جب تک سگائی نہ ہوئی اس کا گھر کھود ڈالا۔

ابھی تک ان کے گھر میں جو کچھ تھا وہ بہوؤں کا تھا۔ جو چاہتی تھیں کرتی تھیں، جیسے چاہتی تھیں رہتی تھیں۔ جگی جب سے اپنے عورت کو لے کر لکھنؤ چلا گیا تھا اس وقت سے کانتا ہی کی عورت گھر کی مالکہ تھی۔ پانچ چھ مہینے ہی میں اس نے نیں چالیس روپئے اپنے ہاتھ میں کر لئے تھے۔ سیر آدھ سیر دودھ دہی چُرا کر بیچ لیتی تھی۔ اب مالکہ ہوئی اس کی سوتیلی ساس۔ اس کی حکومت بہو کو بُری لگتی تھی۔ اور آئے دن دونوں میں جھگڑا ہوتا رہتا تھا، حتےٰ کہ عورتوں کے پیچھے بھولا اور کانتا میں بھی کہا سنی ہو گئی۔ جھگڑا اتنا بڑھا کہ الگاؤ کی نوبت آگئی اور یہ ریت سدا سے چلی آئی ہے کہ الگاوے کے وقت مار پیٹ بھی ضرور ہوتی ہے۔ یہاں بھی اسی قاعدے پر عمل کیا گیا۔ کانتا جوان آدمی تھا بھولا کا اس پر جو کچھ دباؤ تھا وہ باپ کے ناتے، مگر نئی عورت لا کر بیٹے سے عزت پانے کا اب اسے کوئی حق نہ رہا۔ کم از کم کانتا اسے تسلیم نہ کرتا تھا۔ اس نے

بھولا کو پٹک کر کئی لاتیں لگائیں اور گھر سے نکال باہر کر دیا۔ گھر کی چیزیں چھونے بھی نہ دیں۔ گاؤں والوں میں بھی کسی نے بھولا کی حمایت نہ کی۔ نئے بیاہ نے انھیں نکو بنا دیا تھا۔ رات تو انھوں نے کسی طرح ایک پیڑ کے نیچے کاٹی مگر صبح ہوتے ہی نوکھے رام کے یہاں جا پہنچے اور فریاد کی۔ بھولا کا گاؤں بھی انھیں کے حلقے میں تھا اور حلقے بھر کے مالک مکھیا جو کچھ تھے وہی تھے۔ نوکھے رام کو بھولا پر تو کیا رحم آتا، مگر ان کے ساتھ ایک رنگیلی چھبیلی عورت دیکھی تو فوراً جگہ دینے پر راضی ہو گئے۔ جہاں ان کی گائیں بندھتی تھیں، وہیں ایک کوٹھری رہنے کو دے دی۔ اپنے جانوروں کی دیکھ بھال، سانی پانی کے لئے انھیں یکایک ایک واقف کار آدمی کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ بھولا کو تین روپئے ماہوار اور ایک سیر روزانہ اناج پر نوکر رکھ لیا۔

نوکھے رام ناٹے، موٹے، چنڈوے، لمبی ناک اور چھوٹی چھوٹی آنکھوں والے آدمی تھے۔ بڑا سا پگڑ باندھتے، بنیان کرتا پہنتے اور جاڑوں میں لحاف اوڑھ کر باہر آتے جاتے تھے۔ انھیں تیل کی مالش کرانے میں بڑا مزا آتا تھا۔ پس ان کے کپڑے ہمیشہ میلے کچیلے رہتے تھے۔ ان کا کنبہ بہت بڑا تھا۔ سات بھائی اور ان کے بال بچے سب ہی ان کے سہارے تھے خود ان کا لڑکا نویں درجے میں انگریزی پڑھتا تھا اور اس کے بابوپن کا ٹھاٹ باٹ نبھانا بھی کوئی آسان کام نہ تھا۔ رائے صاحب سے انھیں صرف بارہ روپئے تنخواہ ملتی تھی مگر خرچ سو روپئے سے کم نہ تھا۔ اس لئے اسامی کسی طرح ان کے جنگل میں پھنس جائے تو اسے خوب چوسے ہوئے بغیر نہ چھوڑتے تھے۔ پہلے چھ روپئے تنخواہ ملتی تھی، تب اسامیوں سے اتنی نوچ کھسوٹ کرتے تھے۔ مگر جب سے بارہ روپئے ہو گئے تھے اس وقت سے ان کی ہوس اور بھی بڑھ گئی تھی۔

اس لئے رآئے صاحب ان کی ترقی نہ کرتے تھے۔

گاؤں میں اور تو سب ہی کسی نہ کسی صورت میں ان کا دباؤ مانتے تھے حتیٰ کہ داتا دین اور جھنگری سنگھ بھی ان کی خوشامد کرتے تھے، صرف پٹیشوری ان کے خم ٹھونکنے کو ہمیشہ تیار رہتے تھے۔ نوکھے رام کو اگر یہ زعم تھا کہ برہمن ہیں اور کالستھوں کو انگلی پر نچاتے ہیں تو پٹیشوری کو گھمنڈ تھا کہ ہم کالستھ ہیں، قلم کے بادشاہ، اس میدان میں کوئی دوسرا ہم سے کیا بازی لے جائے گا۔ پھر وہ زمیندار کے نوکر نہیں بلکہ ایسی سرکار کے نوکر ہیں جس کے راج میں آفتاب کبھی نہیں غروب ہوتا۔ نوکھے رام اگر ایکا دشی کو برت رکھتے ہیں اور پانچ برہمنوں کو کھلاتے ہیں تو پٹیشوری ہر پورنماشی کو ست نرائن کی کتھائیں گے اور دس برہمنوں کو کھلائیں گے۔ جب سے ان کا بڑا لڑکا سزاول ہو گیا تھا، نوکھے رام اس تاک میں رہتے تھے کہ ان کا لڑکا بھی کسی طرح دسواں درجہ پاس کر لے تو اسے بھی کہیں نقل نویسی دلا دیں اسی لئے حکام کے پاس فصلی تحفے لے کر برابر سلام کرنے جایا کرتے تھے پٹیشوری ایک اور بات میں بھی ان سے بڑھے ہوئے تھے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ وہ اپنی بیوہ کہارن کو رکھے ہوئے ہیں تو اب نوکھے رام کو بھی اپنی شان میں یہ کسر پوری کرنے کا موقع ملتا ہوا معلوم ہوا۔

بھولا کو دھارس دیتے ہوئے بولے: "تم یہاں آرام سے رہو بھولا کسی بات کا کھٹکا نہیں۔ جو ضرورت ہو ہم سے آکر کہو۔ تمھاری گھر والی ہے۔ سو اس کے لئے بھی کوئی نہ کوئی کام نکل آوے گا۔ بکھاروں میں اناج رکھنا، نکالنا، پچھوڑنا، پھٹکنا، کیا یہ سب تھوڑا کام ہے۔"

بھولا نے عرض کیا: "ایک بار کامتا کو بلا کر پوچھ لو کہ کیا باپ کے ساتھ بیٹے کا یہی برتاؤ ہونا چاہیئے۔ گھر ہم نے بنوایا، گائے بھینس ہم نے

لیں، اب اُس نے سب کچھ ہتھیا لیا ہے اور ہمیں نکال باہر کر دیا ہے۔ یہ انیاؤ نہیں تو کیا ہے؟ ہمارے مالک تو تم ہی ہو، تمھارے دربار سے اس کا نیاؤ ہونا چاہیئے۔"

نوکھے رام نے سمجھایا: "بھولا، تم اس سے لڑ کر جیت نہ پاؤ گے۔ اس نے جیسا کیا ہے اس کا ڈنڈا اسے بھگوان دیں گے بے ایمانی کر کے کوئی آج تک پھلا پھولا نہیں۔ دنیا میں بے ایمانی نہ ہوتی ہو تو اسے نرک کیوں کہا جاتا؟ یہاں نیائے اور دھرم کو کون پوچھتا ہے؟ بھگوان سب دیکھتے ہیں سنسار کا رتی رتی حال جانتے ہیں۔ تمھارے من میں اس سمے کیا بات ہے، یہ ان سے کیا چھپا ہے؟ اسی سے تو انتر جامی (ہمہ دان) کہلاتے ہیں۔ ان سے بچ کر کوئی کہاں جائے گا؟ تم چپکے ہو گے بیٹھو۔ بھگوان کی اچھا ہوئی تو یہاں تم اُس سے بُرے نہ رہو گے۔"

یہاں سے اٹھ کر بھولا نے ہوری کے پاس جا کر اپنا دکھڑا رو دیا۔ ہوری نے اپنی بیتی سنائی۔ "لڑکوں کی آج کل کچھ نہ پوچھو۔ بھولا بھائی! مر مر کر پالو پوسو اور جوان ہوں تو بیری بن جائیں۔ میرے ہی گوبر کو دیکھو، مان سے لڑ کر گیا اور برسوں ہو گئے، نہ چٹھی نہ پتری! اس کے لیکھے (حساب سے) تو ماں باپ مر گئے۔ لڑکی کا بیاہ سر پر ہے پر اس سے کوئی مطلب نہیں۔ کھیت رہن رکھ کر دو سو روپئے لئے ہیں۔ اجت آبرو کا نباہ تو کرنا ہی ہو گا۔"

کامتا نے باپ کو نکال باہر تو کر دیا مگر اسے معلوم ہونے لگا کہ بوڑھا کتنے کام کا آدمی تھا۔ سویرے اٹھ کر سانی پانی کرنا، دودھ دوہنا، پھر دودھ لے کر بازار جانا، پھر وہاں سے آ کر سانی پانی کرنا، پھر دودھ دوہنا، کوئی پندرہ روز میں اس کا حلیہ بگڑ گیا۔ مرد عورت میں لڑائی ہوئی۔ عورت نے کہا،

کہ میں جان دینے کے لئے تمہارے گھر نہیں آئی ہوں، اگر میری روٹی تمھیں بھاری ہو تو میں اپنے گھر چلی جاؤں۔ کامتا ڈرا کہ یہ کہیں چلی جائے تو روٹی کا بھی ٹھکانا نہ رہے اپنے ہی ہاتھ سے ٹھوکنا پڑے۔ آخر ایک نوکر رکھا۔ مگر اس سے کام نہ چلا۔ نوکر کھلی بھو سے چرا چرا کر بیچنے لگا تو اسے الگ کیا۔ پھر عورت مرد میں لڑائی ہوئی۔ عورت روٹھ کر میکے چلی گئی۔ کامتا کے پاؤں پھول گئے ہار کر بھولا کے پاس آیا اور خوشامد کرنے لگا "دادا، مجھ سے جو کچھ بھول چوک ہوئی چھما کرو۔ اب چل کر گھر سنبھالو۔ جیسے تم رکھو گے ویسے ہی رہوں گا۔"

بھولا کو یہاں مزدوروں کی طرح رہنا کھل رہا تھا۔ پہلے مہینے دو مہینے ان کی جو خاطر ہوئی وہ اب نہ تھی۔ نوکھے رام کبھی کبھی ان سے چلم بھرنے یا چارپائی بچھانے کو بھی کہتے تھے، اس وقت بے چارہ بھولا زہر کا گھونٹ پی کر رہ جاتا تھا۔ اپنے گھر میں لڑائی جھگڑا بھی ہو تو کسی کی سیوا ٹہل تو نہ کرنے پڑے گی۔"

اس کی عورت نہرا نے یہ تجویز سنی تو اینٹھ کر بولی "جہاں سے لات کھا کر آئے وہیں پھر جاؤ گے؟ تمھیں لاج بھی نہیں آتی؟"

بھولا نے کہا "تو یہیں کون سنگھاسن پر بیٹھا ہوا ہوں۔"

نہرا نے مٹک کر "تمھیں جانا ہو تو جاؤ، میں نہیں جاتی۔"

بھولا جانتا تھا کہ نہرا مخالفت کرے گی۔ اس کا سبب بھی وہ کچھ کچھ سمجھتا تھا اور کچھ کچھ دیکھتا بھی تھا۔ اس کے یہاں سے بھاگنے کا ایک سبب یہ بھی تھا یہاں اس کی تو کوئی بات نہ پوچھتا تھا۔ مگر نہرا کی بڑی خاطر ہوتی تھی۔ پیادے اور شحنے تک اس کا دباؤ مانتے تھے۔ اس کا جواب سن کر بھولا کو غصہ آیا مگر کرتا کیا؟ نہرا کو چھوڑ کر جانے کی ہمت اس میں ہوتی تو نہرا بھی جھک مار کر اس کے پیچھے پیچھے چلی جاتی۔ اسے یہاں تنہا رکھنے کی ہمت نوکھے رام میں نہ تھی۔ وہ نٹنی کی

آڑے شکار کھیلنے والے آدمی تھے مگر نہرا بھولا کے مزاج سے واقف ہو چکی تھی۔
بھولا منت کر کے بولا: "دیکھ نہری! تنگ مت کر۔ اب تو وہاں بہو دیں بھی نہیں ہیں، تیرے ہی ہاتھ میں سب کچھ رہے گا۔ یہاں مجوری کرنے سے برادری میں کتنی بدنامی ہو رہی ہے، یہ سوچ!"
نہرا نے انگوٹھا دکھا کر کہا: "تمھیں جانا ہو جاؤ، میں تمھیں روک تو نہیں رہی ہوں۔ تمھیں بیٹے کی لاتیں پیاری لگتی ہیں، مجھے تو نہیں لگتیں۔ میں اپنی مجوری میں مگن ہوں۔"
بھولا کو رہنا پڑا اور کامتی اپنی عورت کی خوشامد کر کے اسے منا لایا۔ ادھر نہرا کے بارے میں بھی سرگوشیاں ہوتی رہیں۔
نہرا نے آج گلابی ساڑی پہنی ہے۔ اب کیا پوچھنا ہے، چاہے نت نئی ساڑی پہنے۔ سیاں بھئے کوتوال اب ڈر کاہے کا؟ بھولا کی آنکھیں پھوٹ گئی ہیں کیا؟"
سوبھا بڑا پرمذاق تھا۔ سارے گانوں کا مخرا بلکہ نارد۔ ہر بات کی ٹوہ لگاتا رہتا تھا۔ ایک دن نہری اسے گھر میں مل گئی، کچھ ہنسی کر بیٹھا۔ نہری نے دکھے رام سے جڑ دیا۔ سوبھا کی چوپال میں طلبی ہوئی اور ایسی ڈانٹ پڑی کہ عمر بھر نہ بھولے گا۔
ایک دن لالا پیٹھوری پرشاد کی شامت آگئی۔ گرمیوں کے دن تھے۔ لالا باغیچے میں آم توڑوا رہے تھے۔ نہرا بنی ٹھنی ادھر سے نکلی۔ لالا نے پکارا: "نہرا رانی، ادھر آؤ، تھوڑے سے آم لیتی جاؤ، بڑے میٹھے ہیں۔"
نہرا کو شک ہوا کہ لالہ میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔ اسے اب گھمنڈ ہونے لگا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ لوگ اسے زمیندار یہ سمجھیں اور اس کی عزت کریں مغرور

شخص عموماً شکی ہوا کرتا ہے اور جب دل میں چور ہو تو یہ شک اور بھی بڑھ جاتا ہے وہ مجھے دیکھ کر کیوں ہنسا؟ سب لوگ مجھے دیکھ کر جلتے کیوں ہیں؟ میں کسی سے کچھ مانگنے نہیں جاتی۔ کون بڑی ستونتی ہے؟ تنک میرے سامنے آئے تو دیکھوں!

اتنے دنوں میں نہری گاؤں کے بھیدوں سے واقف ہو چکی تھی۔ یہی لالا کہار ان کو رکھے ہوئے ہیں اور مجھے ہنستے ہیں! انھیں کوئی کچھ نہیں کہتا، بڑے آدمی ہیں نا۔ نہری غریب ہے، کم ذات کی ہے اس لئے سب ہی اس کی ہنسی اڑاتے ہیں اور جیسا باپ ہے ویسا ہی بیٹا۔ انھیں کارمیسوری توسلیا کے نیچے پاگل بنا پھرتا ہے۔ چاروں پر تو گدھ کی طرح ٹوٹتے ہیں، اس پر دعویٰ ہے کہ ہم اونچے ہیں۔

اس نے وہیں کھڑے ہو کر کہا: "تم ایسے دانی کب سے ہو گئے لالا؟ پاؤ تو دوسروں کے تھالی کی روٹی اڑا جاؤ۔ آج بڑے آم والے ہوئے ہیں۔ مجھ سے چھیڑ کھانی کی تو اچھا نہ ہوگا، کہے دیتی ہوں۔"

اوہو اس اہیرن کا اتنا مزاج! نوکھے رام کو کیا پھانس لیا، سمجھتی ہے کہ ساری دنیا پر اسی کا راج ہے بولے: "تو تو ایسی تنک رہی ہے نہری جیسے اب کسی کو گاؤں میں نہ رہنے دے گی۔ جرا (ذرا) جبان (زبان) سنبھال کر بات کیا کر، اتنی جلد اپنے کو بھول نہ جانا۔"

"تو کیا تمھارے دوارے پر کبھی بھیک مانگنے آئی تھی۔"

"نوکھے رام نے چھانہہ نہ دی ہوتی تو بھیک بھی مانگتی۔"

نہری کو لال مرچ سی لگ گئی جو کچھ منہ میں آیا بکا: "واڑھی جار، منہ جھونسہ" وغیرہ نہ جانے کیا کیا کہا اور اسی غصے میں بھری ہوئی اپنی کوٹھڑی میں گئی اور اپنا سامان نکال نکال باہر رکھنے لگی۔

نوکھے رام نے سُنا تو گھبرائے ہوئے آئے اور پوچھا: "یہ کیا کر رہی ہو نہری کپڑے کیوں نکال رہی ہو؟ کسی نے کچھ کہا کیا؟"

نہری مردوں کے پچانے کی حکمت جانتی تھی۔ اپنی زندگی میں اس نے یہی فن سیکھا تھا۔ نوکھے رام پڑھے لکھے آدمی تھے۔ قانون بھی جانتے تھے اور مذہبی کتابیں بھی بہت پڑھی تھیں۔ بڑے بڑے وکیلوں، بیرسٹروں کی جوتیاں سیدھی کی تھیں مگر اس گنوار نہری کے ہاتھ کا کھلونا بنے ہوئے تھے۔ بھویں سکیڑ کر بولی "دن کا پھیر ہے کہ یہاں آگئی پر اپنی آبرو نہ گنواؤں گی۔"

براہمن آپے میں آگیا۔ مونچھیں کھڑی کر کے بولا: "تیری طرف (طرف جوتا کے، اس کی آنکھیں نکال لوں۔"

نہری نے لوہے کو گرم کر کے گھن جمایا: "لالہ پٹیشوری جب دیکھو مجھ سے بے بات کی بات کیا کرتے ہیں۔ میں ہرجائی تھوڑے ہی ہوں کہ کوئی مجھے پیسے دکھائے؟ گانوں بھر میں سب ہی عورتیں تو ہیں پر کوئی ان سے نہیں بولتا جسے دیکھو وہ مجھی کو چھیڑتا ہے۔"

نوکھے رام پر بھوت سوار ہو گیا۔ اپنا موٹا ڈنڈا اٹھایا اور آندھی کی طرح ہرہراتے ہوئے باغ میں پہنچ کر للکارنے لگے: "آجا بڑا مرد ہے تو! مونچھیں اکھاڑ لوں گا۔ کھود کر گاڑ دوں گا! نکل آ سامنے! اگر پھر کبھی نہری کو چھیڑا تو لہو پی جاؤں گا۔ ساری پٹواگیری نکال دوں گا۔ جیسا آپ ہے ویسا ہی اوروں کو بھی سمجھتا ہے۔ تو ہے کس گھمنڈ میں۔"

لالہ پٹیشوری سر جھکائے اور سانس روکے ہوئے بت کی طرح کھڑے تھے۔ ذرا بھی زبان کھولی اور شامت آئی۔ ان کی اتنی تو ہیں زندگی میں کبھی نہ ہوئی تھی۔ ایک مرتبہ لوگوں نے انھیں تالاب کے کنارے رات کو

گھیر کر خوب پٹیا تھا مگر گانوں میں کسی کو خبر نہ ہوئی تھی۔ کسی کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا۔ مگر آج تو سارے گانوں کے سامنے ان کا پانی اتر گیا۔ کل جو عورت گانوں میں ٹھکانا کھوجتی آئی تھی، آج سارے گانوں پر اس کا دبدبہ تھا۔ اب کس کی ہمت ہے جو اسے چھیڑ سکے؟ جب پٹیٹوری کچھ نہ کر سکے تو دوسروں کی بساط ہی کیا؟

اب نہری گانوں کی رانی تھی اسے آتا دیکھ کر کسان لوگ اس کے راستے سے ہٹ جایا کرتے تھے۔ یہ کھلا ہوا راز تھا۔ اس کی تھوڑی سی پوجا کر کے نوکھے رام سے بہت کام نکل سکتا ہے۔ کسی کو بٹوارا کرانا ہو، لگان کے لئے مہلت مانگنی ہو، مکان بنانے کے لئے زمین کی ضرورت ہو، نہری کی پوجا کئے بغیر اس کا کام نہیں ہو سکتا تھا۔ کبھی کبھی وہ اچھے اچھے اسامیوں کو ڈانٹ بتا دیتی تھی۔ اسامی ہی نہیں، اب وہ کارکن صاحب پر بھی رعب جمانے لگی تھی۔

بھولا اس کے محتاج بن کر نہ رہنا چاہتے تھے۔ عورت کی کمائی کھانے سے زیادہ بُرا ان کی نظر میں دوسرا کام نہ تھا۔ انھیں کل تین روپئے ماہوار ملتے تھے اور وہ بھی ان کے ہاتھ نہ لگتے تھے۔ نہری اوپر ہی اوپر اڑا دیتی تھی۔ انھیں تمباکو پینے کو ایک کوڑی میسر نہیں اور نہری دو آنے کے روزانہ پان کھا جاتی تھی۔ جسے دیکھو وہی ان پر رعب جماتا تھا پیارے ان سے چلم بھروا تے اور لکڑی کٹواتے۔ بیچارا دن بھر کا تھکا ماندہ آتا اور دروازے پر پیڑ کے نیچے ایک جھنگی چارپائی پر پڑ رہتا تھا۔ کوئی ایک لوٹا پانی دینے والا بھی نہیں۔ دوپہر کی باسی روٹیاں رات کو کھانی پڑتیں اور وہ بھی نمک، یا پانی یا پانی اور نمک کے ساتھ۔

آخر تنگ ہو کر اس نے گھر میں کامتا کے ساتھ رہنے کا ارادہ کیا۔ کچھ نہ ہوگا، ایک ٹکڑا اردی تو مل ہی جائے گی۔ اپنا گھر تو ہے۔

نہری بولی "میں وہاں کسی کی گلامی (غلامی) کرنے نہ جاؤں گی۔"

بھولا نے جی کڑا کر کے کہا "تمھیں جانے کو تو میں نہیں کہتا، میں تو اپنے جانے کو کہتا ہوں۔"

"تم مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ گے؟ کہتے لاج نہیں آتی؟"

"لاج تو گھول کر پی گیا۔"

"لیکن میں نے تو اپنی لاج نہیں پی۔ تم مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔"

"تو اپنے من کی ہے، تو میں تیری گلامی کیوں کروں؟"

پنچایت کرا کے منہ میں کالکھ لگاؤں گی، اتنا سمجھ لینا۔"

کیا ابھی کچھ کالکھ لگی ہے؟ کیا اب بھی مجھے دھوکے میں رکھنا چاہتی ہے؟"

"تم تو ایسا تاؤ کھا رہے ہو جیسے مجھے روج (روز) کہتے ہی تو گھر والے ہو۔ تو یہاں نہری کسی کا تاؤ سہنے والی نہیں ہے۔"

بھولا جھلّا اٹھے اور سرہانے سے لکڑی اٹھا کر چلے کہ نہری نے لپک کر ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کے طاقتور پنجے سے نکلنا بھولا کے لئے مشکل تھا۔ چپکے سے قیدی کی طرح بیٹھ گئے۔ ایک وقت تھا جب عورتوں کو وہ انگلیوں پر نچایا کرتے تھے۔ آج وہ ایک عورت کے پنجے میں پھنس گئے ہیں اور کسی طرح نکل نہیں سکتے۔ ہاتھ چھڑانے کی کوشش کر کے وہ پردہ فاش نہیں کرنا چاہتے، اپنی طاقت کا اندازہ انھیں ہو گیا ہے۔ مگر وہ کیوں اس سے نڈر ہو کر نہیں کہہ دیتے کہ تو میرے کام کی نہیں ہے۔

میں تجھے چھوڑتا ہوں۔ پنچایت کی دھمکی دیتی ہے۔ تو کیا پنچایت کوئی ہوّا ہے۔ اگر تجھے پنچایت کا ڈر نہیں تو میں کیوں پنچایت سے ڈروں؟

لیکن یہ خیال لفظوں میں آنے کی ہمت نہ کر سکتا تھا۔ نہری نے ان پر کوئی جادو کر دیا تھا۔

(۲۶)

لالہ پٹیشوری پٹواریانہ اوصاف کے مجسمہ تھے۔ وہ یہ نہ دیکھ سکتے تھے کوئی آسامی اپنے دوسرے بھائی کی انچ بھر بھی زمین دبالے اور نہ وہ دیکھ سکتے تھے کہ اسامی کسی مہاجن کے روپئے دبالے۔ گانوں کے لوگوں کے فوائد کی حفاظت کرنا ان کا اولین فرض تھا۔ سمجھوتہ یا میل جول ان کا اعتقاد نہ تھا۔ یہ نومردہ دلی کی علامتیں ہیں وہ کش مکش کے قائل جو زندگی کی علامت ہے۔ آئے دن اس زندگی کو ابھارنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ ایک نہ ایک شگوفہ چھوڑتے رہتے تھے۔ منگرو ساہو پر دنوں ان کی خاص مہربانی تھی۔ وہ گانوں کا سب سے زیادہ دولت مند آدمی تھا۔ مگر مقامی سیاسیات میں بالکل حصہ نہ لیتا تھا۔ رعب یا اقتدار کا پاس اسے نہ تھا۔ مکان بھی اس کا گانوں کے باہر تھا۔ جہاں اس نے اپنا باغ اور ایک کنواں اور ایک چھوٹا سا شوالہ بنوالیا تھا۔ بال بچہ کوئی نہ تھا اس لئے لین دین بھی کم کر دیا تھا اور زیادہ تر پوجا پاٹ ہی میں لگا رہتا تھا۔ کہ ہی آسامیوں نے اس کے روپئے ہضم کر لئے تھے مگر اس نے کسی پر نالش نہیں کی ہوری پر بھی اس کے سود کے تقریباً ڈیڑھ سو ہو گئے تھے مگر ہوری کو قرض ادا کرنے کی کوئی فکر تھی اور نہ منگرو کو اسے وصول کرنے کی۔ دو بار تقاضا کیا، ڈانٹ بھی بتائی، مگر ہوری کی عادت دیکھ کر چپ ہو بیٹھے اب کے اتفاق سے ہوری کی ایکھ گانوں بھر کے اوپر تھی۔ کچھ نہیں تو کے دو ڈھائی سو سیدھے ہو جائیں گے، لوگوں کا ایسا اندازہ تھا۔ پٹیشوری